طلاق کے وقت گواہوں کی ضرورت

(عصری تناظر میں جدید مباحث)

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس*

Divorce is considered to be disgusting act, but allowed in unavoidable circumstances. In a situation when one of the party disagree about the words or phrase spoken at the time of divorce, which make the process of divorce controversial one group of (فقہاء) is of the view that presence of witnesses is (مستحب) while other group considered it indispensible (واجب). Legislation in this regard is need of the hour. These who divorce in contradiction to law must be punished. Legislation in this regard will decrease the rate of divorce and put an end to divorce related controversies.

Key words: Divorce, Legislation, Witnesses

قومی و بین الاقوامی استحکام کے لیے معاشرتی استحکام بہت اہم ہے۔ اسلام میں اس استحکام کا آغاز معاشرہ کی سب سے چھوٹی، مگر اہم ترین اکائی، زوجین سے شروع کیا گیا ہے۔ زوجین کی تشکیل کے لیے نکاح جیسے اساسی ادارہ کے قیام کا حکم دیا، اور اس ادارہ کو صرف ایک معاشرتی یا جنسی ضرورت نہ سمجھا بلکہ دینی ضرورت کے طور پر پیش کیا۔ تاریخ عالم کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ معاشروں کی توڑ پھوڑ کا آغاز شادی جیسے مقدس بندھن کو لایعنی سمجھنے کے نقطۂ نظر سے ہوا۔ اخلاقی مادیت نے یہاں بھی اپنا پرتو ڈالا تو معاشرہ کی یہ اکائی بکھر کر رہ گئی۔ نکاح کی اس ساری اہمیت کے باوجود اگر کسی موقعہ پر زوجین کے رویے، اس بنیادی اکائی کو استحکام فراہم کرنے کی بجائے، تخریب کا ذریعہ بن رہے ہوں تو اسلام طلاق کو ابغض (۱) اور شیطان دوست (۲) رویہ سمجھتے ہوئے گوارا کرتا ہے کیوں کہ اب اس نکاح کے منفی اثرات پورے معاشرہ کے استحکام پر مرتب ہوں گے۔ یہ دین اسلام کا حسن ہے کہ وہ یہ بظاہر تخریبی عمل بھی اس انداز سے چاہتا ہے کہ انسانی احساسات کے آبگینوں کو ٹھیس نہ پہنچے۔ پورا ایک نظام واضح کرنے کے بعد، اصول وضوابط کی تفصیلات بتانے کے ساتھ علیحدگی میں بھی ''معروف'' (۳) کا حکم پیش نظر رکھنے کا حکم دیا۔ ہمارا معاشرہ نفسانی خواہشوں کا اسیر ہو کر ان اہم ترین احکامات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی ان معاملات کو دینی سمجھتا ہے۔ طلاق کی شرح متعدد معاشرتی، اخلاقی، معاشی اور جذباتی مسائل کی وجہ سے بڑھتی جا رہی ہے اور اس میں اسلامی احکامات کو قطعاً پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔

---

* چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد۔

ہمارے ہاں بہ یک وقت ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیئے بغیر اطمینان نہیں ہوتا پھر ہم یہ بہانہ بنائیں گے کہ میری تو نیت نہیں تھی صرف ڈرانے کے لیے کیا تھا حالانکہ شریعت میں ڈرانے کے اور ذرائع موجود تھے۔ مرد طلاق کے الفاظ کہتا ہے، عورت موقف اختیار کرتی ہے کہ میں نے سنا ہی نہیں۔ طلاق بذریعہ ڈاک بھیجی تو وصول ہی نہ کی۔ اس طرح کے اور بہت سے مسائل جو معاشرہ میں دیکھنے سننے میں آتے ہیں اور کتب فتاوی اس کی بہتر عکاسی کرتی ہیں۔

علماء نے بعض فروعی مسائل کو اتنا اجاگر کیا کہ عامۃ الناس مختلف فرقوں میں تمیز و فرق انہیں مسائل کی بنا پر کرتے ہیں لیکن معاشرتی زندگی کا یہ اہم، نازک اور حساس مسئلہ وارثانِ منبر و محراب کی گفتگو کا موضوع نہ بن سکا، جس کی وجہ سے آئے روز معاشرہ کی ابتری اور افراد معاشرہ کے ذہنی انتشار کے واقعات پیش آتے ہیں۔

طلاق ہی کے حوالہ سے ایک اساسی نوعیت کا مسئلہ طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی ہے، یہ درست اور بجا کہ فقہائے اہلسنت نے اسے استحباب کے درجہ میں رکھا لیکن معاشرہ کی مجموعی ذہنی کیفیات کو سامنے رکھ کر اسے قانوناً لازم قرار دے دیا جائے تو اس سلسلہ کی بہت سی غلط فہمیوں میں کمی آ سکتی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں قرآن و سنت اور علمائے اسلام کے اس حوالہ سے نقطہ ہائے نظر پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ مجموعی معاشرتی رویوں کے پیش نظر طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی کے مسئلہ کا جائزہ لیا جا سکے۔

اس کے لیے اہل علم نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

واشهدوا ذوی عدل منکم (۴)

امام قرطبی (م:۶۷۱ھ) ائمہ اہلسنت کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قولہ تعالیٰ:

(واشهدوا) امر بالاشهاد على الطلاق. وقيل: على الرجعة. والظاهر رجوعه الى الرجعة لاالى الطلاق فان راجع من غير اشهاد، ففی صحة الرجعة قولان للفقهاء وقيل: المعنى واشهدوا عند الرجعة والفرقة جميعاً وهذا الاشهاد مندوب اليه عند ابی حنيفة كقوله تعالىٰ: (واشهدوا اذاتبايعتم) (البقره:۲۸۲) وعند الشافعی واجب فی الرجعة، مندوب اليه فی الفرقة(۵)

قول باری تعالیٰ (واشهدوا) میں اشہاد کا حکم ہے۔ ایک قول کے مطابق طلاق اور دوسرے قول کے مطابق اشہاد رجعت پر ہے۔ اور ظاہر آیت رجعت کی طرف راجع ہے نہ کہ طلاق کی طرف۔ اگر بغیر اشہاد رجوع کرے تو رجوع کے صحیح ہونے میں فقہاء کے دو قول ہیں اور ایک قول کے مطابق اشہاد **عند الرجعة**

والفرقة (دونوں) ہے اور یہ گواہ بنانا امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستحب ہے جیسے قول باری تعالیٰ (**واشهدوا اذا تبايعتم**) ’’جب خرید وفروخت کرو تو گواہ بناؤ‘‘ اور امام شافعی کے نزدیک رجعت میں اشہاد واجب اور طلاق میں مستحب ہے۔

اسی آیت کے تحت امام طبری نے سدی کا قول نقل کیا ہے: **على الطلاق و الرجعة** (٦)

حضرت ابن عباس کی رائے ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے: **المراد على الرجعة و على الطلاق** (۷) جریج نے عطاء بن ابی رباح (م: ۱۱۵) کا قول بایں الفاظ نقل کیا ہے:

لايجوز فی نكاح ولاطلاق ولارجوع الاشاهد اعدل كما قال تعالىٰ، الاان يكون من عذر (٨)

کہ نکاح طلاق اور رجوع عادل شاہدوں کے بغیر جائز نہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مگر سوائے عذر کے۔

اس قول میں **لايجوز** سے علامہ قاسمی نے یہ نتیجہ نکالا کہ بوقت طلاق گواہوں کی موجودگی واجب ہے (۹) صاحب نکت القرآن نے طلاق میں گواہی کو فرض قرار دیا ہے۔

ان الاشهاد فی الطلاق فرض لايجوز تركه (١٠)

امام شافعی کی رائے اس حوالہ سے یوں نقل کی گئی ہے۔

قال الشافعی رحمة الله: فامر الله فی الطلاق والرجعة بالشهادة، وسمى فيها عدد الشهادات فانتهى الى شاهدين فدل ذلك على ان كمال الشهادة على الطلاق والرجعة شاهدان. (١١)

درج بالا تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سورۂ طلاق کی اس آیت کی تشریح وتوضیح میں علماء کے تین قول ہیں: (۱۲)

(ا) رجعت کے وقت گواہ ضروری ہیں۔

(ب) طلاق کے وقت گواہ ضروری ہیں۔

(ج) رجعت اور طلاق دونوں میں گواہ ضروری ہیں البتہ اس کے بغیر اگر طلاق دی جائے اور رجوع کیا جائے تو دونوں واقع ہو جائیں گے۔ عطاء نے نکاح طلاق اور رجوع کو بغیر گواہوں کے ناجائز قرار دیا۔ اور صاحب نکت القرآن نے طلاق کے وقت گواہی کو فرض کے درجہ میں رکھا ہے۔

اس مسئلہ میں بعض علما نے اس صحیح روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

ان عمران بن الحصيں سئل عن رجل يطلق امراته ثم يقع بها ولم يشهد على طلاقها ولاعلى رجعتها فقال عمران: طلقت بغير سنة راجعت بغير سنة أشهدواعلى طلاقها وعلى رجعتها (۱۳)

حضرت عمران بن حصین سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور پھر اس سے جماع کرتا ہے۔ طلاق پر گواہ رہنا ہے نہ رجعت پر۔ تو آپ نے فرمایا ’’اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا۔ طلاق پر بھی گواہ بنانا چاہیے اور رجعت پر بھی اب ایسا نہ کرنا‘‘۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق دیتے وقت گواہ مقرر کر لینا بہتر ہے۔ اسی روایت کے تحت صفاء الضوی احمد العدوی نے علامہ سندی کے حوالہ سے لکھا: ’’**اشهد على طلاقها ورجعتها** ‘‘**يريد ان اللائق الاشهاد فى الحالين لئلا يقع النزاع والتهمة**(۱۴)

شیخ جمال الدین قاسمی (م:۱۳۳۲) نے اس روایت پر درج ذیل اضافہ کو الدرالمنثور (۱۵) کے حوالے سے نقل کیا ہے: ’’**فيشهد على طلاقه وعلى مراجعته ويستغفر الله**‘‘ (۱۶) پس وہ طلاق پر گواہ بنائے اور رجوع پر بھی اور استغفار کرے۔ اور یہ تبصرہ کیا ہے: ’’**فانكار ذلك من عمران رضى الله عنه والتهويل فيه وامربالاستغفار لعده اياه معصية ماهو الالوجوب الاشهادعنده رضى الله عنه كماهو ظاهر**‘‘ (۱۷) پس عمران رضی اللہ عنہ اس طلاق کی صحت سے جو انکار کرتے ہیں اور اشہاد اور استغفار کا حکم دیتے ہیں کیونکہ وہ اس کو گناہ شمار کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک اشہاد واجب ہے۔

اس مسئلہ پر دیگر علماء کی آراء اور عصر حاضر میں اہمیت کا جائزہ لینے سے پہلے علمائے امامیہ کا نقطہ نظر ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

امامیہ کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے طبرسی (م:۵۳۸ھ) نے لکھا ہے:

فعندنا ان الاشهاد شرط فى وقوع الطلاق، لأن ظاهرالامربذلك يقتضيه . والامر عندنا على الوجوب . وقال قوم: ان ذلك راجع الى الرجعة، وتقديره واشهد واعلى الامساك ان امسكتم ذوى عدل منكم وهوالرجعة فى قول ابن عباس . وقال الشافعى: الاشهاد على الرجعة اولى. ويجوز عنداكثرهم بغير اشهاد، وانما ذكر الله الاشهاد

کماذکر فی قوله: (واشهدوااذا تبايعتم) وهو على الندب، وهذا ترك الظاهر ومتى حملنا الاشهاد على الفراق، وهو الطلاق حملناه على ظاهره من الوجوب وجعلناه شرط فی وقوع الطلاق. (۱۸)

''پس ہمارے نزدیک (علمائے امامیہ) طلاق کے واقع ہونے کے لیے گواہ بنانا شرط ہے کیونکہ ظاہر امر اسی کا تقاضا کرتا ہے اور ہمارے نزدیک امر وجوب پر محمول ہے اور ایک گروں (علمائے اہلسنت) نے کہا ہے کہ یہ امر رجعت سے متعلق ہے اور اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی ''**وأشهدو اعلى الامساك ان أمسكتم ذوی عدل منکم**'' (اگر رجوع کرو اس پر دو عادل گواہ رکھو)

ابن عباس کے قول کے مطابق مراد رجعت ہے۔ اور امام شافعی نے کہا۔ رجعت پر گواہ بنانا اولیٰ ہے اور ان میں اکثریت کے نزدیک بغیر اشہاد (رجعت) جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اشہاد کا ذکر ہی اسی طرح کیا ہے جیسے اس آیت (**واشهد اذاتبايعتم**) ''جب بیع کرو گواہ بناؤ'' اور یہ استحباب پر محمول ہے، جبکہ یہ ظاہر امر کا ترک ہے اور جب اشہاد کو ہم نے فراق پر محمول کیا اور وہ ہے طلاق تو ہم نے اسے اس کے ظاہر یعنی وجوب پر محمول کیا اور اس (اشہاد) کو وقوع طلاق کے لیے شرط قرار دیا۔''

فقہ الصادق کے مؤلف نے طلاق کا رکن رابع ''**الاشهاد**'' لکھا ہے اور کہا ہے کہ نص اور فتویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحت طلاق کے لیے گواہوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ائمہ اہل بیت سے متعدد روایات نقل کی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے دو عادل گواہ موجود نہ ہوں تو وہ طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ (۱۹) حضرت علی کے پاس ایک ایسا ہی شخص آیا جس نے طلاق کے وقت گواہ نہیں بنائے تھے تو آپ نے فرمایا۔

اذهب فان طلاقك ليس بشیء (۲۰)

''ان دلائل سے ظاہر ہوا کہ امامیہ کے نزدیک دو عادل گواہوں کی موجودگی کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

طلاق میں گواہی کے وجوب کے قائلین

صحابہ کرام میں حضرت علی اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اسی طرح عطاء، ابن جریج، ابن سیرین اس کے قائل ہیں کہ طلاق کے وقت گواہوں کا ہونا واجب ہے۔ ائمہ اہل بیت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے''۔ (۲۱)

دور حاضر میں گواہوں کی ضرورت واہمیت علماء کی آراء کا جائزہ

بعض علماء اہلسنت نے طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی کو واجب ثابت کیا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے عدم وجوب کا نقطۂ نظر رکھنے والے علماء کے جواب بھی دیئے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ صیغہ امر بنیادی طور پر وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابن عاشور اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

صیغہ اُمر کا ظاہر وجوب پر دلالت ہے پس دراین صورت شوہروں پر رجوع اور طلاق کے لیے اشہد واجب ہے۔

وظاهر صيغة الامر الدلالة على الوجوب فيتركب من هذين ان يكون الاشهاد على المراجعة وعلى بت الطلاق واجبا على الازواج”(۲۲)

بعض اہل علم نے طلاق اور رجوع میں گواہی میں فرق کیا وہ رجوع کے وقت واجب اور طلاق کے وقت مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کا رد جمال الدین قاسمی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وهذا الاشهاد على المراجعة والطلاق مندوب ، ومنهم من ذهب الى وجوبه عليهما ، ومنهم من فرق بين المراجعة فاوجبه فيها، وبين الطلاق فاستحبه. وظاهر الامر فى الآية الوجوب فيهما، والترجيح يجب ان يكون بدليل مرجح. ومما يؤيد الوجوب ان الاوامرفى الآية كلها، قبل وبعد ، للوجوب اجماعاً ، ولادليل يصرف الامر بالاشهاد عن ظاهره(۲۳)

”رجعت وطلاق پر گواہی مندوب ہے۔ اور بعض نے واجب کہا۔ کچھ نے رجوع اور طلاق میں فرق کرتے ہوئے رجوع میں واجب اور طلاق میں مستحب کہا۔ بظاہر آیت سے دونوں کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ کسی ایک کو واجب اور دوسرے کو مستحب قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اور جو چیز واجب ہونے کی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آیت میں تمام صیغے اجماعاً وجوب کے لیے ہیں۔ اور کوئی دلیل نہیں جو ظاہر کو (مستحب کی طرف) پھیر دے“۔ اس معاملہ ایسی ہی دلیل کا میں ذکر ابن الفرس اندلسی نے بھی کیا ہے۔(۲۴)

علامہ قاسمی نے یہ بھی لکھا کہ جب لوگوں نے گواہی کے مستحب ہونے پر اجماع کا دعوی کیا اس سے مراد اجماع مذہبی ہے نہ کہ اجماع اصولی۔ کیونکہ امام غزالی کے بقول اجماع اصولی امت کا کسی خاص امر پر اتفاق کا نام ہے اور مذکورہ بالا صحابہ وتابعین کے ذکر کے بعد یہ اجماع نہ رہا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو چکا کہ

یہ صرف علمائے امامیہ کی رائے نہیں بلکہ علمائے اہلسنت کا مذہب بھی ہے۔ (۲۵) استاد ابو زہرہ نے بھی گواہوں کی موجودگی کو پسند کیا ہے۔ (۲۶)

وجوب کی اس بحث کے بعد اس سلسلہ کی دوسری اہم چیز یہ ہے کہ گواہوں کے مقرر کرنے کے فائدہ پر نظر ڈالی جائے تو دور حاضر میں اس کی ضرورت اور اہمیت اشکارا ہو جاتی ہے۔ الشیخ محمد علی الصابونی نے **الحکمة من الاشهاد** کے تحت یہ وضاحت کی کہ اس کا مقصد جھگڑا کو رفع کرنا ہے۔ بعض اوقات شوہر انکار کرتا ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی تا کہ عورت کے مال میں سے حصہ لے سکے کبھی ایسا ہی عورت کرتی ہے تا کہ وراثت کی حصہ دار بن سکے۔ اسی طرح معاشرہ میں طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی عامۃ الناس کی غلط فہمیوں کو بھی دور کرتی ہے لوگ کردار و عصمت پر اعتراضات کرنے سے باز رہتے ہیں۔ (۲۷) ڈاکٹر محمد یوسف شھادت کو اصلاح کا عمل دیکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ”**وهذا انفع وسيلة الى الوئام بين الزوجين لان لاهل الصلاح تاثيرا فى النفوس واعادة مياه الصفاء الى محاربها، واذا لم تنجح نصائحهم فلا اقل من تخفيف الطلاق و تقليله بسبب اشتراط العدلين**“ (۲۸)

زوجین کے درمیان اصلاح کا یہ ایک مفید ذریعہ ہے، کیونکہ جب صالح گواہ ہوں گے تو ان کی نصیحت اصلاح کا باعث بنے گی۔ اگر اصلاح کا عمل نتیجہ خیز نہ بھی ہو سکے تو کم از کم عادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق کے واقعات میں کمی ضرور آ جائے گی۔

اس کے بعد ڈاکٹر محمد یوسف لکھتے ہیں: ”**وهذه وجهة نظر يجب عدم التغاضر عنها، فان الاخذ بهذا الرأى يمهد السبيل للصلح فى كثير من الحالات حقا**“ (۲۹)

اور یہ اسی قابل توجہ رائے ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس رای کو قبول کرنا بہت سے گھمبیر حالات میں صلح کے لیے زمینہ فراہم کرے گا۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے گواہوں کی معاشرتی ضرورت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔ ”اس شہادت کے حکم کو فقہاء نے تو عام طور پر استحسان ہی کے درجے میں رکھا ہے۔ اور ایک اچھے معاشرے میں اگر یہ استحسان کے درجے میں رہے جب بھی کافی ہے، لیکن اس زمانے میں معاشرے کے فساد کے سبب سے جس طرح نکاح کے لیے رجسٹریشن کا طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے اسی طرح طلاق کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس سے بہت سے نزاعات کا سد باب ہو سکتا ہے“۔ (۳۰)

وہ علماء جو بیع پر قیاس کرتے ہوئے گواہی کو مندوب قرار دیتے ہیں، ابن عاشور اس قیاس کو باطل

قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ نسب اور خاندان کے حوالے سے جو خطرات طلاق و رجوع کے حوالہ سے ہیں وہ بیع میں نہیں ہیں۔ (۳۱)

چوتھی اہم چیز جس کی بناء پر طلاق کے وقت گواہی کو اس دور میں لازم قرار دینا اولی ہے وہ فقہ اسلامی کا یہ قاعدہ ہے:

قدتراعی المصلحة لغلبتها علی المفسده(۳۲)

مصلحت غالب اور مفسدہ مغلوب ہو تو لحاظ مصلحت کا ہوتا ہے۔

مصلحت کی وضاحت امام غزالی کے اس ارشاد سے واضح ہوتی ہے: مصلحت کا اصل معنی ہے منفعت کا حصول، ضرر کا ازالہ، مگر یہاں مصلحت سے ہماری مراد یہ معنی نہیں ہے، اس لیے کہ حصول منفعت اور دفع ضرر خلق کے مقاصد ہیں اور خلق کی صلاح درستی ان کے مقاصد کی تحصیل میں ہے۔ بلکہ مصلحت سے ہماری مراد ”مقصود شرع کی محافظت“ ہے اور مقصود شرع پانچ میں حفظ دین، جان، عقل، نسل، مال، تو جو چیز ان پانچوں امور کی حفاظت کو متضمن ہو وہ مصلحت ہے۔ اور جو چیز ان پانچوں امور کو فوت کر دے وہ مفسد ہے اور اس کا ازالہ بھی مصلحت ہے۔“ (۳۳)

چونکہ حفاظت نسل کا تعلق بھی مصلحت سے ہے۔ طلاق کے وقت گواہوں کے نہ ہونے سے ”اس دور میں“ بہت سے مفاسد پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیے مصلحت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ گواہ ضروری قرار دیئے جائیں۔

ماحصل

اہل علم کی درج بالا آراء سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قانوناً طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی طرح لازم قرار دے دیا جائے اور جو بغیر گواہوں کے طلاق دے اسے نافذ تو کیا جائے مگر طلاق دینے والے کو تعزیراً اس کی حیثیت کے مطابق مالی سزا دی جائے۔ البتہ اس سزا کی کم از کم رقم ضرور مقرر کی جائے۔ جو وہ رقم بھی ادا نہ کر سکے اسے تین ماہ قید کیا جائے۔ اس سے طلاق کی شرح بھی کم ہو گی اور طلاق کے بعد جو دوسرے مذاق ہوتے ہیں وہ بھی بند ہو جائیں گے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) عن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم قال: أبغض الحلال الی اللہ الطلاق

ابو داؤد، سیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، بابُ فی کراهیة الطلاق، رقم الحدیث : ۲۱۷۸/۲۱۷۷ کا مضمون بھی ایسا ہی ہے۔/ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، **کتاب الطلاق**، رقم الحدیث: ۲۰۱۸

(۲) درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان اپنا تخت پانی پر سجاتا ہے۔ پھر وہ اپنے لشکروں کو روانہ کرتا ہے وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان میں سے اس کا زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے زیادہ گمراہ کن ہو، ان میں سے ایک آتا ہے تو وہ بتاتا ہے، میں نے یہ یہ کیا تو وہ کہتا ہے تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر ان میں سے ایک آتا ہے تو وہ کہتا ہے، میں نے فلاں کا پیچھا نہیں چھوڑا حتی کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے: ''ہاں تم بہت خوب ہو'' اعمش بیان کرتے ہیں، میرا خیال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے'' امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب **صفة القیامة والجنة والنار**، باب **تحریش الشیطان وبعثه** رقم الحدیث: ۲۸۱۳

(۳) سورہ الطلاق ۶۵:۲، انگریزی میں معروف کا ترجمہ Good Honourable Kindness Fairness کے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ Dictionary of the Holy Quran P.368.

(۴) ایضاً

(۵) **القرطبی، محمد بن احمد بن ابوبکر (م ۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن والمبین لما تضمنه السنة و آی الفرقان، تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶، جلد ۲۱، ص: ۴۰**

(۶) الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل ای القرآن**، تحقیق محمود شاکر، داراحیاء دالتراث العربی، بیروت ۱۴۳۱ھ/۲۰۰۱ء، جلد ۲۸، ص: ۱۵۳

(۷) **ابن الفرس، ابو محمد عبدالمنعم، احکام القرآن، تحقیق: صلاح الدین عفیف، دار ابن حزم، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء جلد ۳، ص: ۵۷۵)**

(۸) ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم، تحقیق مصطفیٰ السید محمد......، دار عالم الکتب الریاض، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء جلد ۱۴، ص :۳۱/الاساس فی التفسیر دارالسلام القاہرہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹، جلد ۱۰، ص: ۵۹۷۴

(۹) القاسمی، الشیخ محمد جمال الدین (م: ۱۳۳۲ھ) **الاستئناء لتصحیح انکحة الناس، المطبعة السفیة ص: ۱۵۰**

(۱۰) القصاب، محمد بن علی الکرمی، **نکت القرآن** تحقیق دکتور شائع بن عبدہ، دار ابن القیم، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء،

جلد۴ص: ۳۲۸

(۱۱) الفرآن، الدکتور احمد بن مصطفیٰ (جامع)، تفسیر الامام الشافعی ، التدریۃ الریاض، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء جلد۳، ص۳۸۲۔۳۸۱

(۱۲) ان اقوال کو کم وبیش جدید وقدم تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق بیان کیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

(i) قاسم، احمد بن عبدالرحمٰن، کتاب التفسیر القرآن بالقرآن والسنة والآثار و بالاسلوب الحدیث، الریاض ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ جلد ۶، ص: ۲۲۵

(ii) الخطیب، عبدالکریم، التفسیر القرآنی للقرآن، دارالفکر العربی بیروت ۱۹۷۰ء جلد۱۴، ص: ۱۰۰۶

(iii) المیبدی، ابوالفضل رشیدالدین، کشف الاسرار وعدة الابرار، مؤسسة انتشارات امیر کبیر تہران، ۱۳۷۶، جلد ۱۰، ص: ۱۴۲

(iv) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، دارالوفاء، المنصورہ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء جلد۵، ص: ۳۲۰

(v) الخطیب الشربینی، السراج المنیر، تحقیق: احمد عزوعنایۃ الدمشقی داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ جلد۷، ص: ۴۷۲

(vi) ابی زمنین، محمد بن عبداللہ (م: ۳۹۹ھ)، تفسیر القرآن العزیز، تحقیق: حسین بن عکاشہ، الفاروق الحدیثیہ القاہرہ ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، جلد۴ص: ۱۸۳

(۱۳) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب الرجعة، رقم الحدیث: ۲۰۲۵

(۱۴) العدوی، صفا الضوی احمد، اھدا الدیباج بشرح سنن ابن ماجه، مکتبہ دار الیقین، البحرین ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء جلد۱۳، ص: ۳

(۱۵) السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، الدرالمنثور فی التفسیر الماثور، دارلکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء، جلد۶، ص: ۳۵۳

(۱۶) یہ روایت مصنف عبدالرزاق سے امام سیوطی نے نقل کیا ہے، مکمل متن یہ ہے۔ عبدالرزاق عن معمر عن ایوب عن ابن سیرین قال: سال رجل عمران بن حصین عن رجل طلق ولم یشهد وراجع ولم یشهد قال: طلق فی غیر عدة، وارتجع فی غیر سنة، فلیشهد علی طلاقه، وعلی مراجعته، ویستغفر الله ابوبکر عبدارزاق بن ہمام، المصنف، باب النکاح والطلاق والاتجاع بغیر بینہ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، جلد: ۶ ص: ۱۰۹، رقم الحدیث: ۱۰۲۹۳/ روایت نمبر ۱۰۲۹۴، ۱۰۲۹۵، ۱۰۲۹۶ کا بھی یہی مضمون ہے۔ الفاظ اور بعض راوی مختلف ہیں۔

(۱۷) الاستئناس ص:۱۴۸۔۱۴۹

(۱۸) الطّوسی، ابوجعفر محمد بن الحسن، التبیان فی تفسیر القرآن، تحقیق احمد حبیب، الامیرہ بیروت ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰، جلد ۱۰، ص:۳۰

(۱۹) اس کے لیے الکافی جلد ۶، باب من طلق لغیر الکتاب والسنۃ/ باب تفسیر طلاق السنۃ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۰) الروحانی، سید محمد صادق الحسینی، فقہ الصادق، العذیر للطباعۃ والنشر قم ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸، جلد ۳۴، ص:۱۴۸۔۱۵۲

(۲۱) الاستئناس ص:۱۴۷

(۲۲) ابن عاشور، التحریر والتنویر جلد ۲۸، ص:۲۷۷

(۲۳) القاسمی، جمال الدین، محاسن التاویل، تحقیق محمد باس عیون السعود، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء جلد ۹ ص:۲۵۵

(۲۴) ابن الفرس، محمد عبدالمنعم الاندلسی، (م:۵۹۷ھ)، احکام القرآن، تحقیق صلاح الدین عفیف، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ جلد ۳، ص:۵۷۵

(۲۵) الاستئناء ص:۱۵۰

(۲۶) محمد ابوزہرہ، امام، الاحوال الشخصیہ، دار الفکر العربی، بیروت ۲۰۰۵، ص:۳۶۸

(۲۷) ملخص ترجمہ: الصابونی، الشیخ محمد علی قبس من نور القرآن الکریم، دار الجیل بیروت، ۲۰۰۱ء جلد ۴، ص:۱۳۸۔۱۳۹

(۲۸) مغنیۃ، محمد جواد، التفسیر الکاشف، دار الانوار بیروت، ص:۳۵۰

(۲۹) ایضاً

(۳۰) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاونڈیشن لاہور، ۱۹۷۹، جلد ۷ ص:۴۳۸

(۳۱) التحریر والتنویر جلد ۲۸، ص:۲۷۸

(۳۲) الاشباہ ص:۱۱۵

(۳۳) غزالی، امام المستصفٰی من علم الاصول، جلد اول، ص:۲۸۶

☆☆☆